۱۹۴۲ء کا ایک یادگار سفر

(۲)

از مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی دار العلوم دیوبند

دوپہر کا منظر بارہ بجے کے قریب کشتی ایک کنارے پر روکی گئی کہ کھانا کھانے والے کھا پی لیں، اس وقت اندر سے باہر آیا تو عجیب وحشت ناک منظر دیکھنے میں آیا، دھوپ کی تمازت، حد نگاہ تک کوئی نہ آدمی نہ آدم زاد، دور تک پھیلا ہوا جنگل ہی جنگل، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان آگ برسا رہا ہے، زمین شعلے اگل رہی ہے اور ہوا لو سے ہمکنار ہے، سوچنے لگا یا اللہ کہاں تھے کہاں آگئے۔

ہندو مسافر جب باہر نکل کر کھا چکے اور واپس آئے تو پھر کشتی چلنے لگی، ملاح دھیرے دھیرے کشتی چلانے لگا، ڈھائی تین بجے ہم لوگوں نے ملاح سے کہا کہ اب ہم لوگوں کو نماز ادا کرنی ہے، کنارے اچھی جگہ دیکھ کر روک دو کہ نماز ادا کرلیں، چنانچہ کشتی روکی گئی، ہم سب نے اتر کر دریا کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا، چادر بچھا کر باجماعت نماز پڑھی، جب اندر آگئے تو اب پھر کشتی کھول دی گئی۔

سرِ شام عصر کے قریب ایک جگہ کشتی رکی، وہاں دو مسلمان عورتیں جو غالباً دوسرا جانا چاہتی تھیں اتر گئیں، ہم لوگوں نے وضو کر کے عصر کی نماز ادا کی، اور پھر کشتی چلنے لگی، آفتاب کی تمازت جب ختم ہوئی، تو غروب آفتاب سے ذرا پہلے ہم لوگ اندر

سے باہر چھت پر آ گئے اور دریائی منظر دیکھنے میں مصروف ہو گئے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت کا منظر بڑا ہی خوشگوار تھا۔ اس وقت کی یادداشت میں نوجوانی کی زبان میں منظر کشی موجود ہے، جسے اس عمر میں نقل کرنا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

اب ہم سب اوپر تھے اور شام میں غروب آفتاب اور پرندوں کے آنے جانے کا منظر دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے، بعد غروب آفتاب کشتی روک گئی، ہم طلبہ نے نیچے آکر باجماعت نماز مغرب ادا کی اور پھر کشتی پر آ گئے۔ اور کشتی نے چلنا شروع کر دیا۔

ساتھیوں کی تفریح ایک گھنٹہ کے بعد ایک مندر کنارے نظر آیا، ملاح نے وہاں کشتی اتر کر کنارے لگا دی، ہندو مسافر نے اتر کر لکڑی جلا کر رات کا کھانا پکانا شروع کر دیا، میرے پاس منشی جی کا دیا ہوا جو کھانا تھا وہ کھایا، میرے بقیہ ساتھی، تو کے تو ملاح اور ہندوؤں سے یہ معلوم کر کے کہ یہاں قریب مسلمان آبادی ہے؟ اور کہاں ہے، بستی کی طرف چل دئے، مجھے تنہائی کا موقع ملا، عشاء کی نماز پڑھ کر سو گیا، معمولی نیند آئی۔

دو گھنٹے کے بعد ساتھی سارے کے سارے واپس آ گئے اور بہت خوش و خرم، کہنے لگے آج شب برات ہے، جا کر مسلمان آبادی میں پہونچے، مسجد میں نماز پڑھی، مسلمانوں نے کھانا کھلایا اور بہت سا حلوہ ساتھ کیا کہ کل ناشتہ میں کام آئے گا۔ بستی کا نام "ٹیکا دیوریا" ہے۔ اب تک میں لیٹا لیٹا ان کے قصے سن رہا تھا، کہ آواز آئی، مولوی صاحب آجائیے، طلبہ نے بتایا کہ تم کو ہی بلا رہے ہیں، کیوں؟ کہنے لگے، کھانا لے کر آئے ہیں، جب ان کو بتایا گیا کہ ایک ساتھی کشتی پر ہیں، تو ان سب نے طے کیا کہ کھانا لے جا کر ان کو بھی کھلاؤ، مجھے اٹھنا پڑا۔ نیچے آیا تو دو تین اشخاص بڑی محبت سے ملے، کھانا سامنے کیا اور کھانے پر اصرار کیا، ان کی اس مہربانی سے متاثر ہوا اور جتنا اس وقت کھایا جا سکا، کھایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ وہ اپنے بندوں کو کس کس طرح نوازتا ہے، کچھ دیر ان

آنے والوں سے باتیں ہوتی رہیں۔

رات میں کشتی کا سفر دس گیارہ بجے رات میں کشتی نے پھر لنگر اٹھا دیا اور کشتی چلنے لگی، اور پر لیٹ گیا، بھولی بسری باتیں یاد آنے لگیں، چاندنی رات، دریائی سفر، سناٹا، وطن سے دور ایک مجرم مسافر، حکومت وقت کا ایک مجرم، مگر وطن کا وفادار، آزادی کا متوالا، ملک وملت سے بے انتہا دلچسپی رکھنے والا۔ جو کچھ ایسے وقت میں سوچ سکتا ہے سوچنے لگا، آفتاب جب ڈوب رہا تھا اُس وقت منظر کشتی میں یہ جملے بھی بے ساختہ نوکِ قلم سے نکلے تھے:

"دیکھتے ہی دیکھتے آفتاب کا حسین چہرہ لگا ہوں سے اوجھل ہو کر مغرب میں روپوش ہو گیا، اس وقت دلفریب منظر جذبات کو چھیڑ رہا تھا، اجالے کی جگہ تاریکی اپنا تسلط قائم کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھی کہ کوئی آدھ گھنٹے کے بعد افق پر لالی دوڑ گئی۔ معلوم ہوا کہ شہیدانِ وطن کے خون میں اُبال آگیا ہے، پھر اسی سُرخی سے ایک درخشاں، سنہرا گول حلقہ نمودار ہوا، اور اس کی روشنی پھیلنے لگی۔ تاریکی نے اپنا دامن سمیٹ لیا اور بالآخر تاریکی پر روشنی غالب آگئی، اس وقت کانوں میں ایک غیبی صدا آرہی تھی کہ شہیدانِ وطن کا خون بھی رائیگاں نہیں جائے گا۔ ایک دن اسی طرح آزادی کا نیرِ تاباں بھی جلوہ گر ہوگا، اور انشاء اللہ غلامی کی سیاہی پامال ہو کر رہے گی۔"

پیچ وتاب کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارے وہ خیالات حقیقت بن کر سامنے نہیں آئے، کشتی پر بھی یہی پیچ وتاب کھا رہا تھا کہ ملک کی آزادی کے لئے ہم نے متو میں سب کچھ کیا ہے، انگریزوں کے خلاف تقریریں کیں، اور جذباتی انداز میں کیں، عوام و خواص میں جذبات اُبھارے، یہ کیا جرم تھا جس کی سزا میں اس طرح مارا مارا پھر رہا ہوں، ابھی وطن سیکڑوں میل کی دوری پر ہے، کیا ضروری ہے، ہم وہاں تک زندہ پہونچ بھی

جائیں، ہم نے غلط اقدام کیا، ہم کو مئو میں ہی رہنا تھا، خواہ فوج کے ہاتھوں پٹائی ہوتی، جیل میں بند کئے جاتے یا جو اذیت آتی، برداشت کرتے، یہ بھاگنے کا فلسفہ ٹھیک نہیں تھا، گو ہمیں بڑوں نے یہی مشورہ دیا تھا کہ اس وقت کی سیاست یہی ہے کہ جس قدر بچا جا سکے بچنا چاہیئے، جلد اپنے کو گرفتار نہیں ہونے دینا چاہیئے۔

مگر اب سوچنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، جو مقدر تھا سامنے آچکا ہے، اور آئندہ بھی آئے گا، اب پچھتانا فضول ہے، اپنے رب العالمین کے حوالہ کر کے خاموش رہو۔

رات میں دریائی سفر کوئی گیارہ بجے رات میں جب سب کھا پی چکے، کشتی کھول دی گئی، اور مسافت طے ہونے لگی، سونے کی بہت جد و جہد کی، مگر نیند نہ آئی تھی، نہ آئی، گرمی شدید، جگہ ناہموار، کبھی اندر گیا، کبھی باہر آیا، بڑا وقت اسی میں گذر گیا، کشتی کے بقیہ تمام اشخاص سو چکے تھے، صرف ملاح تھا جو کشتی ... رہا تھا، بلکہ بہاؤ اُدھر ہی کا تھا جدھر جانا تھا، دریا کا پاٹ کچھ زیادہ نہیں تھا، اس لئے ملاح کو بھی اطمینان تھا۔ اخیر رات میں جب ذرا ٹھنڈی ہوا لگی، تو نیند آئی، طلوع فجر کے وقت حسب عادت آنکھیں کھل گئیں، کشتی کے دوسرے مسافر بھی جاگ پڑے، کشتی روک کر ایک جگہ سبھوں نے اِدھر اُدھر بڑھ کر حاجات بشری، پائخانہ پیشاب سے فراغت حاصل کی، جب نماز کا وقت آیا تو اب کہیں خشکی کا نام و نشان نہیں، ہر طرف پانی ہی پانی، یہ سیلاب کا پانی تھا جو پھیل پڑا تھا، مجبوراً سبھوں کو تنہا تنہا نماز ادا کرنا پڑی، کشتی میں ایسی جگہ نہیں تھی کہ جماعت ہو سکے۔

صبح کی آمد آج ستاروں کے ڈوبنے کا منظر بھی جی بھر کر دیکھا اور زبان پر علامہ اقبال کا شعر آتا رہا۔ ؎

کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
ستارہ می شکنند و آفتاب می سازند

رات میں ایسا دریائی سفر نہ اس سے پہلے ہوا تھا، نہ بعد میں ہوا، اور عجب اتفاق کہ پندرھویں شب تھی، ماہتاب پوری رات ہمیں دیکھتا رہا اور ہم اسے تاکتے رہے، سارے رنج و غم کے باوجود اس سفر میں رات کا منظر بہت خوشگوار رہا۔

پھر کہنا چاہیئے زندگی میں پہلی مرتبہ پانی کی ایسی سطح پر آفتاب نکلنے کا منظر سامنے آیا، جہاں حدِ نگاہ تک پانی ہی پانی تھا، موجیں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں، نہ درخت، نہ جھاڑ جھنکار، نہ آدمی، آدم زاد نہ عمارت اور کوٹھی، نہ جھونپڑی اور محل۔

تاروں کے غروب ہوتے ہی خاورِ مشرق کی آمد آمد کا بگل بجا، شعاعوں کی فوجیں صف بستہ پھیلنے لگیں، پھر پورب میں لالی پھیل گئی، اور آسمان پر اس کی دھاریاں بکھر گئیں، پھر بڑے جاہ و جلال سے وہ سورج طلوع ہوا، جس کو ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے دیکھ کر کہا تھا "ھذا ربی ھذا اکبر" ایک دہکتا سرخ گولا تھا، پھر بہت جلد اس کی کرنیں پھوٹنے لگیں، اور اندھیری کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

ایک آبادی کا حال

صبح کے وقت ہماری کشتی "چیٹ بڑا گاؤں" کے کنارے سے گذر رہی تھی، جہاں کے میرے ایک دوست اکمل بلیاوی رہنے والے تھے، کنارے آنے والوں سے کشتی میں سوار ہندو مسافروں نے دریافت کیا، یہاں کا کیا حال ہے، وہ سب کہنے لگے کل کلکٹر صاحب فورس لیکر پہونچے تھے، ایک حصہ سے تقریبًا سوا لاکھ روپے وصول کر کے لے گئے ہیں، آج پھر بقیہ آبادی کے لئے آئیں گے، زور، زبردستی کرتے ہیں، ڈر سے کوئی انکار نہیں کرتا، ایک مصیبت ہے جو آبادی پر ٹوٹ پڑی ہے۔

اب دن کی روشنی میں انگریزی حکومت کے خلاف جو جدوجہد ہوئی تھی، اس کے نشانات نظر آنے لگے تھے، کہیں ٹیلیفون کے کھمبے ٹوٹے ہوئے اور اکھڑے ہوئے تھے، کہیں پُل کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا تھا، اور پھر وہ پُل بھی آیا جس سے ریل گذر کر غازی پور جاتی تھی، پٹریاں بھی کہیں کہیں بکھری دیکھنے میں آئیں۔

دھوپ میں بتدریج شدّت آتی جارہی تھی، ایک چھوٹی سی بستی کے سامنے ہندو مسافر اتر گئے، اب صرف ہم دس افراد طلبہ رہ گئے، جن کو بلیا شہر جانا تھا، اب یہ چھوٹی ندی پھیلتی جارہی تھی، اور اس کا ملاپ گنگا سے ہوتا جارہا تھا، پھیلاؤ بڑھتا جارہا تھا، طغیانی بھی بڑھتی نظر آرہی تھی، ملاح کشتی کو کنارے سے لے جارہا تھا کہ کوئی حادثہ پیش نہ آنے پائے۔

ایک ناگہانی مصیبت کشتی پر سوار ہم اجنبی لوگ محسوس کرنے لگے تھے کہ دریائی سفر اب شروع ہوا، خوف و ہراس سے ہمارے دل خالی نہیں تھے، مگر بہر حال منزل پر پہونچنا تھا، بلیا شہر ابھی دور تھا، وقت کوئی دس گیارہ بجے دن کا تھا کہ بلیا سے دو چار کشتی والے اسی راستے واپس لوٹ رہے تھے۔ ہمارے ملاح نے پوچھا کیا بات ہے کہ آپ لوگ بھاگے آرہے ہیں، انھوں نے بتایا کہ حکومت کی طرف سے کشتیاں ضبط ہو رہی ہیں، یہ سننا تھا کہ ہماری کشتی کے ملاحوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، کہنے لگے مولوی صاحبان ہم پر اور ہمارے بال بچوں پر رحم کریں، ہم مجبور ہیں کہ آپ سب کو بلیا شہر سے ذرا پہلے اتار دیں، کہ یہی کشتی ہمارا ذریعۂ معاش ہے، ورنہ چھن جائے گی، آج کل حکومت کے لوگوں کے جو ظلم و جور ہیں، وہ آپ لوگ جانتے ہیں۔

چنانچہ تھوڑی دور چل کر اس نے کشتی ایک ایسی جگہ روکی، جہاں سے بلیا شہر کو سیدھی سڑک جارہی تھی، مگر وہ سڑک کافی فاصلہ پر تھی اور اس دریا اور سڑک کے درمیان سیلاب کا پانی دور تک پھیلا اور بھرا تھا، اس نے بتایا کہ پانی گھٹنے گھٹنے سے زیادہ نہیں، بیس پچیس منٹ میں سڑک پر پہونچ جائیں گے، ہم بھی کیا کرتے اتر گئے اور پانی سے اتر کر سڑک پر پہونچے اور پیدل کوئی تین میل چل کر بلیا شہر پہونچے، اُس دقت کی یادداشت کے چند جملے ملاحظہ فرمائیں:

بلیا شہر کا حال "دھوپ کی شدت ناقابل بیان، پسینہ میں ہر شخص ڈوبا ہوا،

کچھ پیدل چلنے کا غم، کچھ یہ رنج کہ یا اللہ کس مصیبت میں ہم پھنس چکے ہیں ہر شخص کے ساتھ معمولی سامان، سب کی ایک مخصوص ہیئت، جس کو دیکھ کر دیکھنے والا محسوس کرے کہ یہ کوئی مخصوص قافلہ ہے، مقامی لوگ متحیر ہو کر پوچھتے کہ کہاں سے آنا ہوا، اور کہاں جانا ہے، مختصر جواب دیتے ہوئے ہم لوگ بڑھتے ہی چلے گئے، کہیں دو چار منٹ بھی رکنے کا نام نہیں لیا، جب شہر بلیا کا حلقہ شروع ہوا، تو عجیب خوفناک سماں تھا، سڑک کے کنارے کے سارے مکان خالی پڑے تھے، ان کے کواڑ ہوا میں بج رہے تھے، ایک دو مسافر کے سوا کوئی مقامی متنفس دیکھنے میں نہیں آتا تھا، سڑک پر جگہ جگہ موٹر کے جلے ہوئے ڈھانچے کھڑے تھے، در و دیوار سے خوف و ہراس نمایاں تھا، اسٹیشن کی عمارت بھی ایک طرف سے نصف جل چکی تھی، خوانچہ فروشوں کے سوا کوئی دوکان آباد نہیں تھی، وہی شہر جس سے بارہا گذرا تھا، اجنبی معلوم ہو رہا تھا، اس کی ہیئت بالکل بدلی معلوم ہو رہی تھی، پہلے کچھ طلبہ نے توڑ پھوڑ کی تھی، بعد میں فوج کے آدمیوں نے پبلک کے مکانوں پر ظلم اور ستم ڈھایا اور سڑک کے کنارے کی ساری آبادی خوف سے مکانات خالی کر کے منتشر ہو چکی تھی، —— چونکہ جمعہ کا دن تھا (۲۸ر اگست ۱۹۴۲ء تاریخ تھی) بازار سے گذرتے ہوئے اور جامع مسجد پوچھتے ہوئے، ٹھیک ساڑھے بارہ بجے دن میں جامع مسجد پہونچے، اذان ہو چکی تھی، بہت لوگوں نے ہم سب کو گھیر لیا اور پوچھ تاچھ شروع کر دی، مختصر جواب دے کر وضو کرنے میں مصروف ہو گئے، ہر سننے والے نے اپنے اپنے انداز میں افسوس کا اظہار کیا، ہمدردی کے کلمات کہے، مقامی حالات بھی بعضوں نے بیان کئے کہ حکام نے پبلک کو کس کس طرح تباہ و برباد کیا، تحریک میں حصہ لینے والے نوجوانوں کو

کیسی وحشیانہ سزائیں دیں، اور برسر عام دیں، کہ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، یہ حالات سن کر غصہ سے خون کھولنے لگا، پھر اپنی بے کسی پر نظر کر کے لرزہ جیسی کیفیت محسوس ہونے لگتی۔"

بعد نماز جمعہ

بہرحال خطبہ ختم ہوا، نماز ادا ہوئی۔ سنتیں پڑھی گئیں، اکثر لوگ اپنے اپنے گھروں کو گئے، کچھ لوگ رہ گئے، اب ان سے باتیں ہونے لگیں، ایک ریلوے ملازم نے کہا کہ آپ لوگ آگے کیسے جائیں گے، سیلاب کا پانی ہر جگہ پھیلا ہوا ہے ریلوے لائن کا حال یہ ہے کہ جاٹ فوج یہاں متعین ہے، لائن درست کرنے کا کام چل رہا ہے، یہ فوجی آدمیوں کو اس طرح گولی مارتے ہیں، جس طرح شکاری پرندوں کو، بیسیوں انسانوں کو انھوں نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنالیا۔ نہ بھاگنے والے کو معاف کرتے، نہ پانی میں ڈوب کر چھپنے والے کو بخشتے، نہ ریلوے کنارے کے کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں کو چھوڑتے مظالم کی انتہا ہے، مگر آج کل کوئی داد ہے نہ فریاد، انھیں پوری چھوٹ ہے، بلیا شہر میں کانگرس کے ورکروں کی بری طرح پٹائی کی ہے۔

انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ابھی چند ہفتوں تک ٹرینوں کے چلنے کی کوئی توقع نہیں ہے، ریلوے کا کافی نقصان ہے، پانی کی ٹنکیاں توڑ ڈالی گئی ہیں، جگہ جگہ سے پٹریاں اکھڑی ہوئی ہیں، یہ بھی بتایا کہ بہار کے حالات یہاں سے بھی بدتر ہیں، کہنے لگے آپ لوگوں نے سخت غلطی کی کہ اس زمانہ میں اپنا مرکز چھوڑ دیا، مجھے منشی عبدالباری کی باتیں یاد آنے لگیں کہ کاش ان کی باتیں مان لی ہوتیں، کتنے آرام سے تھے، ناشکری ہوئی اس کا یہ نتیجہ ہے کہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، انھوں نے مشورہ دیا کہ حتی الوسع آپ لوگ ریلوے لائن سے جانے کی سعی نہ کریں، جو دوسرے راستے ہیں، اُن سے آگے جائیں۔

اس داستان نے رہی سہی ہمت شکستہ کر ڈالی، ساتھیوں سے مشورہ کیا، پہلے

ہوٹل میں جاکر چند لقمے زہر مار کئے، پھر جمال الدین کی تلاش میں نکلا، جو مفتاح العلوم مئو میں پڑھتے تھے اور وہ ہنگامے کے ہی دوران گھر آگئے تھے، شہر کے رہنے والے تھے۔ پہلے بھی کبھی ایک آدھ مرتبہ گھڑی گھنٹہ بھر کے لئے حاضر ہو چکا تھا، وہ گھر پر مل گئے، شب برات کا حلوہ کھلایا، انھوں نے بھی بتایا کہ کشتی حکومت نے اپنے قبضہ میں کرلی ہے، ان کو میں نے یہ بھی بتایا کہ میری روانگی سے پہلے حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی رح گرفتار ہو چکے تھے۔

بلیا سے روانگی جمال الدین میرے ساتھ جامع مسجد آئے اور بتایا کہ سڑک کے راستے اگلے اسٹیشن بانس ڈیہہ نکل جائیں اور پھر وہاں سے معلوم کرکے آگے جائیں، چمپارن کے دو ساتھی یہاں ساتھ چھوڑ چکے تھے، اب پوربیہ کے آٹھ طلبہ رہ گئے اور ایک خاکسار دربھنگہ کا۔

تین بجے عصر سے پہلے ہم لوگ سڑک کے کنارے آگے کے لئے روانہ ہوئے کوئی دو میل طے کیا ہوگا کہ یہ سڑک زیر آب نظر آئی، سیلاب کے پانی نے ڈبو رکھا تھا، حد نظر تک پانی ہی پانی ٹھاٹھیں مارتا نظر آرہا تھا، لوگوں نے بتایا یہ کچی سڑک بیساکھ کے زمانہ میں چالو رہتی ہے، آجکل نہیں، پانی کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے، پھراوپر نیچ کا پتہ نہیں، اس لئے یہ راستہ آجکل بند ہو جاتا ہے۔

یاس و قنوط ایک کشتی والے سے بات کی، تو اس نے چھپرہ تک کے لئے بتیس روپے مانگے، اور ہمارے پاس اتنے کُل پیسے بھی نہیں تھے، یہ یاد رہے کہ انگریزی حکومت ۴۲ء میں ڈھائی روپے من گیہوں، تین روپے من چاول، اور روپیہ کا دو سیر خالص گھی بکتا تھا، مئو سے دربھنگہ کا ریل کرایہ صرف ڈھائی روپے تھا، اس لئے بتیس روپے کی رقم کو معمولی نہ سمجھا جائے۔ یہاں یادداشت کے جملے نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

"میں نے رفقار سے یہ تفصیل بتائی تو سُن کر سب کے سب بدحواس ہو گئے، ہر شخص کی زبان پر یاس و قنوط کے جملے تھے، اور آہ و زاریاں تھیں، بڑا کٹھن وقت تھا، ہمت ٹوٹ چکی تھی، مجھ پر سکتہ کا عالم طاری تھا، مگر تھوڑی دیر بعد اندر ایک بجلی سی کوندی اور سوچا ساتھیوں کو ہمت دلانا ضروری ہے، میں نے ایک پُرجوش تقریر کی کہ ناسازگار حالات سے انسان کبھی دوچار ہوتا ہے، ایسے وقت میں ہمت ہارنا، جوانمردی کے خلاف ہوتا ہے، جو مقدر ہوگا ہو کر رہے گا" جب مرکز چھوڑ کر نکل چکے ہیں تو آگے بڑھنا ہے، خواہ کچھ ہو جائے۔ اس طرح کے جملوں سے ٹوٹی ہوئی ہمت بندھی، پژمردہ دلوں میں امنگ و ولولہ نے کروٹ لی، اور عزم کر لیا گیا کہ آخر مرنا ہے پھر ڈرنا بے سود ہے، چلیں واپس بلیا چلیں، وہاں لائن پکڑ کر راستہ طے کریں گے، موت مقدر ہے تو ہم ٹال نہیں سکتے، حیات باقی ہے تو حکومت وقت کا ظلم ہمیں مٹا نہیں سکتا۔"

بلیا واپسی

چنانچہ بلیا شہر واپس ہوئے اور محلہ قاضی پورہ کی مسجد میں قیام کیا، عصر کی نماز ادا کی، معلوم ہوا پانچ بجے شام سے چھ بجے صبح تک کرفیو رہتا ہے، کہیں آجا نہیں سکتے، ہمارے ساتھی محلہ میں چکر کاٹنے لگے، میں جو ساتھ تھا، کھا پی کر سو گیا، عشار کی اذان پر جاگا نماز ادا کی، نماز کے فوراً بعد دو خوانچے لے کر کچھ لوگ آئے اور ہمیں بڑی محبت و شفقت سے کھانا کھلایا اور حالات بھی سنائے مجھ سے کھایا نہیں گیا، ان لوگوں نے رائے دی کہ ریلوے لائن سے ہی سفر کریں، مگر گاندھی ٹوپی کسی کے سر پر نہ ہو، اور یہ بھی ہدایت کی کہ دن رہتے ہوئے کسی مسلمان آبادی میں قیام کر لیا کریں، نہ دوپہر میں چلیں اور نہ رات میں۔ ڈکیتی زوروں پر ہے، ہم لوگوں کی رائے ہے کہ کل آپ کی منزل ریوتی ہو، پھر وہاں کے مسلمانوں سے معلوم کر کے آگے بڑھیں۔

(باقی آئندہ)